© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

حالیہ انتخابات میں جماعت اسلامی کی ناکامی کے اسباب اور اُس کے موقف کے متعلق ترجمان القرآن کی گذشتہ دو اشاعتوں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے بعض ذہنوں میں عجیب و غریب غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ یہ غلط فہمیاں بعض حضرات کی زبان سے بھی سُنی گئی ہیں اور بعض مخلصین کے خطوط سے بھی ان کا پتہ چلتا ہے۔ ہمارے لیے ان سب کے اقتباسات نقل کرنا مشکل ہے، مگر ان کا لُبِّ لُباب قریب قریب یہی ہے کہ جماعت کے موقف اور اس کی مجبوریوں کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم جماعت میں قطعاً کوئی خامی نہیں پاتے اور اس کے اندر کسی اصلاح کی گنجائش نہیں دیکھتے اور اپنے طریقِ کار کو سو فیصد درست سمجھتے ہو۔ جماعت اسلامی کو جو ناکامی ہوئی ہے اس میں آخر کچھ دخل تو جماعت کی اپنی خامیوں کا بھی ہے۔

ہماری گذارشات سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا بھی اُسی طرح کا ایک منطقی مغالطہ ہے جس طرح کہ ایک بے گناہ آدمی کو پولیس بے گناہی کی پاداش میں پکڑ کر عدالت میں پیش کر دے اور اگر وہ وہاں حاضر ہو کر اپنی صفائی میں کچھ کہے تو اس سے جج صاحب یہ فرمائیں کہ تمہیں جو یہاں حاضر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے کوئی نہ کوئی قصور تو ضرور کیا ہوگا۔ تمہارا پولیس کی حراست میں یہاں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تم بہر حال مجرم ہو۔ ہم نے جماعت کے موقف کے بارے میں جو کچھ عرض کیا تھا اور جسے ہم پھر علی وجہ البصیرت صحیح سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کا نصب العین وہی ہے جو اسلام کا ہے اور اس کا طریق کار بھی وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صلحاءِ اُمت نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اختیار کیا ہے۔ یہی وہ طریق کار ہے جس سے اسلامی انقلاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برپا کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہیں جماعت کے رفقاء اور اس کے نظم و ضبط کی خامیاں تو ہم ان کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم کسی زعمِ باطل میں گرفتار نہیں کہ جماعت بالکل مردانِ کامل پر مشتمل ہے، یا اس کا نظم و ضبط مثالی ہے، یا ہم سے اپنے کام میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے لیکن دراصل ان خامیوں کی نوعیت اُس کارواں کی کوتاہیوں کی سی ہے جس کی منزل بالکل صحیح ہے، جس کا راستہ بالکل درست ہے، البتہ اس کے چلنے اور چلانے والوں کو زیادہ بہتر اور اس کی رفتار کو زیادہ تیز ہونا چاہیے۔ ہمیں اس امر کا واضح شعور رہے اور اپنی حد تک کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم خدا سے دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اِس دینی تحریک کی بہتر طور سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اِن صفحات میں ہم اپنے رفقاءِ کار کی توجہ اسی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں اور اپنے ناقدین کو بھی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اندر کس قسم کی تبدیلیوں کے آرزومند ہیں تاکہ وہ ہمارے کام کی نوعیت اور اس کے مزاج کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

ہم اِسے جماعت اسلامی کے ارکان، ہمدردوں، اس کے بہی خواہوں اور خود اس ملک پر خدا کا بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں کہ مادہ پرستی کے اس دور میں، جب انسانوں کو حرص و ہوس، علاقائی اور نسلی و لسانی تعصبات، اور دنیوی اغراض نے بالکل اندھا کر رکھا ہے، کچھ لوگ اپنی کوتاہیوں کے باوجود اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے میدان میں نکلے ہیں اور وہ اس مقدس فرض کی بجا آوری کے لیے وقت اور مال اور اپنی جسمانی اور دماغی صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے بھائی بند ان کی آنکھوں کے سامنے جاہلیت کے نعرے لگانے اور مادی مفادات سمیٹنے میں مصروف ہیں۔ جو لوگ اِن حالات میں یہ کام کر رہے ہیں وہ اللہ کا جس قدر شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ انہوں نے ایک ایسا مقدس فرض اپنے ذمے لیا ہے جس کے لیے قادرِ مطلق نے انسانیت کے بہترین افراد کو منتخب فرمایا اور انہیں اس فرض کی انجام دہی پر مامور کیا۔ اس ایک حقیقت کے احساس ہی سے بارگاہِ الٰہی میں ہماری جبینیں تشکر سے جھک جاتی ہیں کہ کہاں ہم جیسے عاصی اور گنہگار بندے اور کہاں یہ عظیم اور مقدس کام!

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ احساس اپنی جگہ صحیح اور درست، مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چند قابلِ قدر مستثنیات کو چھوڑ کر ہم نے اعلائے کلمۃ اللہ کے اس کام کی عظمت کا پُوری طرح احساس نہیں کیا۔ ہم اسے زندگی کے اچھے کاموں میں سے محض ایک اچھا کام سمجھتے ہیں، متعدد اچھے مقاصد میں سے محض ایک اچھا مقصد خیال کرتے ہیں، مگر ابھی تک اس حقیقت کو دل و دماغ کی گہرائیوں میں پُوری طرح راسخ نہیں کر سکے کہ یہ متعدد اچھے کاموں میں سے محض ایک کام یا اچھے مقاصد میں سے محض ایک مقصد نہیں بلکہ ایک مسلمان کی زندگی کی غایت الغایات ہے اور باقی سارے کام اسی ایک کام کے تابع ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔

(التوبہ: ۲۴)

اے رسول! کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے وہ مکانات جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

اس آیت سے دوسرے کاموں، دوسری دلچسپیوں اور دوسرے تعلقات اور ذمہ داریوں کی اس ایک کام اس ایک تعلق اور اس ایک بنیادی ذمہ داری سے نسبت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مسلمان جب تک اس فرض کو زندگی کا اہم ترین فریضہ سمجھ کر سرانجام نہیں دیتا اور اس کی ادائیگی کے لیے وہ دنیا کی قیمتی سے قیمتی متاع حتیٰ کہ اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتا، اس وقت تک وہ اس مقدس فرض کی ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا اوّلین اور بنیادی مقصد اس کام کو سرانجام دینا ہے باقی سب کام اسی کے تحت ہیں اور ان کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ اس ایک کام کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ معاشرتی اور خاندانی روابط، معاشی جدوجہد، سیاسی سرگرمیاں، سیرت سازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اخلاقی تربیت کے مختلف پروگرام سب اس ایک مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔

جو لوگ جماعت اسلامی سے کسی حیثیت سے وابستہ ہیں انہیں بلاشبہ دین سے محبت تو ہے کہ وہ اسے دنیا میں غالب کرنے کے آرزومند دکھائی دیتے ہیں، مگر اس محبت اور آرزو نے ابھی بہت سے دلوں کے اندر جنون کی سی کیفیت اختیار نہیں کی۔ کفّارِ مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو "جنون" کا طعنہ دیا کرتے تھے اس میں اُن کے خبثِ باطن کے علاوہ یہ مشاہدہ بھی شامل تھا کہ ایک شخص دنیا کی ساری دلچسپیوں سے بے نیاز ہو کر، سارے مفادات کو ٹھکرا کر اور ساری مخالفتوں اور مخاصمتوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک ہی دُھن میں لگا ہوُا ہے، اور وہ ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ (یوسف: ۴۰)

بادشاہی خدا ہی کی ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ہے سیدھا سچا دین۔

کفّارِ مکہ کے لیے اس مقدس دعوت کے ساتھ حضور سرورِ کائناتؐ کا یہ والہانہ عشق ایک ایسی بات تھی جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ ان کے تصور میں یہ بات کسی طرح نہ سماتی تھی کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنی کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ ایک اَن دیکھے خدا کی خدائی تسلیم کروانے کے لیے بیتاب ہے اور اس ایک کام میں اس کا انہماک اس حد تک بڑھا ہوُا ہے کہ وہ اپنے جسم و جان کی ساری قوتیں اور ساری توانائیاں بے دریغ اس میں کھپا رہا ہے۔ اسے یہی ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے کہ کسی طرح نوعِ انسانی اپنے اصل خالق اور مالک کو پہچان کر اس کی بندگی کے تقاضوں کو پوُرا کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اسی حالت کو قرآن مجید نے یوُں فرمایا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ؕ (الکہف ۶)

تو اے رسول! شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان ہلکان کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس تعلیم پر ایمان نہ لائیں۔

جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بلاشبہ دعوتِ اسلامی کو پھیلانے کے لیے مقدور بھر کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہے ہیں مگر یہ دعوت جس جوش اور ولولے، جس یکسوئی اور انہماک، جس ایثار اور دلسوزی کی متقاضی ہے وہ ابھی تک ان میں پیدا نہیں ہو سکی۔ وہ اس دعوت کے لیے فکرمند تو ضرور نظر آتے ہیں اور اس کی کامیابی کی صورت میں ان کی طبیعتوں میں انبساط اور ناکامی کی صورت میں افسردگی کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں، مگر اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ وہ اس ایک کام کی فکر کو دوسرے افکار پر ابھی پوری طرح غالب نہیں کر سکے۔ وہ اسے زندگی کے دیگر اچھے اور نیک کاموں کی طرح محض نیکی کا کام سمجھ کر کر رہے ہیں مگر اسے زندگی کا واحد مقصود نہیں بنا سکے۔ اُن میں دیوانگی کی وہ کیفیت نظر نہیں آتی جو اس دعوت کے دیوانوں میں فی الحقیقت ہونی چاہیے اور جس کے نمونے احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ہمیں بکثرت ملتے ہیں۔

یہ دیوانگی یونہی ہنسی خوشی پیدا نہیں ہو جاتی۔ یہ دعوتِ حق کے ساتھ والہانہ وابستگی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس تناسب سے انسان کے اندر اس مقدس نصب العین سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے اس میں "دیوانگی" کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کے حصول کے لیے مزاحمتوں اور مخالفتوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھتا ہے۔ ایک انسان اس مقصد کے لیے کسی حد تک دیوانہ ہے اس کے لیے کوئی لگا بندھا پیمانہ نہیں۔ انسان کا اس سے جس قدر تعلق گہرا ہوتا ہے اُسی نسبت سے اُس کی جدوجہد اور تگ و تاز میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنی مثنوی میں اس کیفیت کو ایک حکایت میں یُوں بیان کیا ہے کہ کچھ مرد اور عورتیں باہر کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ پاس ہی ان کے بچے کھیل رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک عقاب ایک ننھے سے بچّے پر جھپٹا اور اُسے اٹھا کر لے گیا۔ عقاب کو پکڑنے اور بچے کو اس سے آزاد کروانے کے لیے سب مرد اور عورتیں اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ جن لوگوں کا تعلق دُور کا تھا وہ چند قدم بھاگ کر واپس آ گئے۔ خاندان کے افراد نے اس کا نسبتاً دُور تک پیچھا کیا۔ جو اس بچے سے جس قدر قریبی تعلق رکھتا تھا اُس نے اسی قدر اس عقاب کا زیادہ تعاقب کیا حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی ایک بلند ترین چوٹی پر بیٹھ گیا۔ اس بچّے سے تعلق رکھنے والے سب تھک ہار کر بیٹھ گئے مگر اس کی ماں جو دیکھنے میں بڑی نحیف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی وہ بالآخر اس چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے اپنے بچے کو اس سے آزاد کر وا کر ہی دم لیا مولانا رومیؒ کی اس حکایت سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی بساط یا اپنا مقدور سمجھتے ہیں یہ بالکل اضافی چیزیں ہیں۔ کسی شخص کا کسی نصب العین سے جس قدر تعلق کم ہو گا اسی نسبت سے اس کی تگ و دو میں بھی کمی ہو گی اور اس میں وہ اپنی بساط کو بھی کم سمجھے گا، مگر جوں جوں تعلق بڑھتا چلا جائے گا اسی تناسب سے اس کے اندر نصب العین کو حاصل کرنے کی آرزو شدید تر ہو گی، اس کی جد و جہد میں غیر معمولی جوش و عزم اور تدبر پیدا ہو گا اور اس کی "بساط" کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ جس کام کو ہم آج اپنے امکان سے باہر اور اپنی بساط سے زیادہ سمجھتے ہیں اُس کام سے اگر ہمارا تعلقِ خاطر بڑھ جائے تو ہمارے امکان کی سرحدیں بھی پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں اور بساط کے دائروں میں بھی وسعت آجاتی ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی اپنے بیٹے کی بیماری کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی امیر آدمی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو وہ اس کی طرف بہت کم متوجہ ہوتا ہے، یا اگر ہوتا بھی ہے تو تھوڑی بہت رقم دے کر اُسے ٹال دیتا ہے۔ مگر جب خود اس کا اپنا بیٹا علیل ہوتا ہے تو وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کو جس قدر زیادہ خطرہ لاحق ہو اسی قدر وہ اُس کی صحت کے لیے فکرمند ہوتا ہے اور اسے شفایاب دیکھنے کے لیے مال و دولت تو کیا جان تک نثار کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ پاتا ہے۔ اس شخص کا رویّہ دو بچوں کے معاملے میں مختلف کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک کے ساتھ اس کا تعلق نہیں یا اگر ہے تو بہت کم ہے مگر دوسرا اس کا لختِ جگر ہے۔

یہ بات ہم بڑے دکھ کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کا دین جو کبھی مسلمانوں کے نزدیک اُن کی سب سے قیمتی متاع ہوا کرتا تھا اور جس کے مقابلے میں وہ دنیا کی ہر چیز کو ہیچ خیال کرتے تھے اور اس کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دینے کے بعد وہ دل کی گہرائیوں سے یہ اعتراف کرتے تھے کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آج محض ان کی پسند کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ قادرِ مطلق نے تو ہمیں اس بیش قیمت متاع سے اس لیے نوازا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہم اسے فلاح وکامرانی کا واحد ذریعہ سمجھ کر اسے زندگی کے سارے شعبوں میں اپنائیں، اس کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا میں کامران اور آخرت میں فائز المرام ہوں اور اسے پوری انسانیت کا دین بنانے کے لیے پوری قوت سے جد وجہد کریں تاکہ جس متاع سے ہم مستفید ہو رہے ہیں ساری نوعِ بشری اس سے مستفید ہو اور دنیا جو اس وقت ظلم وستم سے معمور ہے وہ جنتِ ارضی کا نمونہ بن جائے۔ لیکن ہم بدقسمتی سے اس دین کے سرگرم داعی اور اس کے مخلص خادم بننے کے بجائے محض اسے پسند کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم نے خدا کے دین پر یہ احسان کیا ہے کہ مختلف نظریات، مختلف ادیان یا مختلف طرز ہائے زندگی میں سے اُس کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ کا دین ہماری پسند کا محتاج نہیں اور نہ محض ہمارے اسے پسند کرنے سے اس کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اس کی تبلیغ واشاعت کا، اسے دنیا میں غالب کرنے کی بھرپور کوشش، اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی سچی خواہش اور پھر اس کے لیے مخلصانہ جد وجہد اس دین کے بارے میں ہمارے بنیادی فرائض ہیں۔ دین اللہ کا ہے۔ وہی اس کا محافظ اور ناصر ہے۔ ہماری پسند یا ناپسند سے اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت برتتے ہیں تو یہ دنیا اور آخرت میں ہماری نامرادی اور رُسوائی ہے۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم اسے پسند کریں ہم تو اس دین کے خادم ہیں اور اس کی خدمت اور چاکری ہی کو باری تعالیٰ نے ہمارے لیے وجہِ افتخار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں ہماری ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے اس ذاتِ برحق نے ہمیں اس عظیم احسان سے بھی مطلع کیا ہے جو اُس نے ہمیں اس مقدس کام کے لیے منتخب کر کے ہم پر فرمایا:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ (الحج - ۷۸)

اس نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اس نے پہلے بھی تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے لیے دینِ حق کی شہادت دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے

© rasailojaraid.com

دینِ حق کی شہادت دو۔

کارِ رسالت کے لیے اُمّت کا انتخاب کرتے ہوئے قرآن نے اِجتباء (چُن لینے، منتخب کر لینے) کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ اِجتبا یا اصطفا کا لفظ عام طور پر قرآن مجید میں انبیاء علیہم السّلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اُمّت کے لیے اس لفظ کے استعمال کے معنی یہ ہیں کہ یہ اُمّت اُسی کام کے لیے چُن لی گئی ہے جس کیلئے پہلے پیغمبر برگزیدہ کیے جاتے تھے۔ اور جس طرح پیغمبر کا کام اپنی عملی زندگی میں دعوتِ حق کا نمونہ پیش کرنا ہے اور اپنے قول و فعل سے نوعِ انسانی کے سامنے اس بات کی شہادت فراہم کرنا ہے کہ اس دین کی سربلندی ہی اُس کی زندگی کا واحد مطلوب و مقصود ہے اسی طرح اب اِس اُمّت کو دنیا کے سامنے حق کا گواہ بن کر رہنا چاہیے۔ اور اسی حیثیت سے جد وجہد کرنی چاہیے۔ قرآن مجید جس چیز کو شہادت کہتا ہے وہ عدالت کی وہ چھوٹی سی گواہی نہیں جو ایک گواہ کسی جج کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قرآن کا لفظ شہادت بڑا معنی خیز ہے اور اپنے اندر بہت سے مطالب اور معانی سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے اس کی عملی زندگی اس کی ناقابلِ تردید شہادت فراہم کرے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی شخص کے قول اور فعل کے درمیان پوری ہم آہنگی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب اس کا دل خلوص سے معمور ہو اور اس شہادت کا آخری درجہ یہ ہے کہ وقت آنے پر وہ جان کی بازی لگا کر یہ ثابت کر دے کہ اُسے اللہ کے دین سے دنیا کی کوئی دوسری چیز حتیٰ کہ اپنی جان بھی عزیز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں دینِ حق کے "گواہوں" کی دن بدن کمی ہوتی چلی جا رہی ہے اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ سامنے آ رہے ہیں جو دینِ حق کو محض پسند کرنے والے ہیں، اور ان کی عملی زندگیاں اس بات کی بھی شہادت نہیں دیتیں کہ انہیں اللہ کا دین کسی اعتبار سے بھی پسند ہے۔ انہیں دیکھنے سے یُوں احساس ہوتا ہے کہ بعض مصالح اور مجبوریوں کے تحت یہ حضرات دین کو پسند کرنے کے لیے آمادہ ہوئے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ معاذ اللہ سب لوگ اسی قسم کے ہیں۔ مگر اس تلخ حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگوں کی تعداد اگر غیر معمولی زیادہ نہیں تو ناقابلِ التفات حد تک کم بھی نہیں۔ نہ صرف اس ملک میں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری دنیا میں اسلام اور کفر کے درمیان جنگ جاری ہے، کُفر ہر طرح سے لیس ہو کر اسلام پر یلغار کر رہا ہے، مگر اسلام کے مورچے یا تو خالی ہیں یا ان پر ایسے غیر منظم اور غیر مسلح افراد کھڑے ہیں جنہیں باہمی رنجشوں اور عداوتوں نے ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے اور جن کی دین سے وابستگی بھی صرف اسی حد تک ہے کہ انہیں کفر کے مقابلے میں اسلام نسبتاً پسند ہے۔ پسندیدگی کے جذبات و رجحانات رکھنے کے علاوہ وہ عملی طور پر اس کے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

جن حضرات کو گذشتہ انتخابات میں عملاً کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام کے حامیوں میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اُمت کے لیے اس فیصلہ کُن مرحلہ پر ووٹ دینے کی زحمت گوارا کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ پہلے تو انہیں اس زحمت کو اٹھانے کے لیے بڑی مشکل سے آمادہ کیا گیا اور اگر وہ آمادہ بھی ہوئے تو بڑی مصیبتوں کے ساتھ انہیں پولنگ اسٹیشنوں پر لانا پڑا تب کہیں جا کر انہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اسلام کے ساتھ یہ نیم دلانہ وابستگی آخر کس طرح وہ انقلابی نتائج پیدا کر سکتی ہے جس کی توقع کی جاتی ہے۔ کوئی تحریک محض مقدس آرزوؤں اور نیک تمناؤں سے تو آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کے لیے صبر و ثبات کے ساتھ محنت، خلوص کے ساتھ مالی ایثار اور عزم و ہمت اور حکمت و دانائی کے ساتھ بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اور ان سب چیزوں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ایک انسان اس تحریک سے کس درجہ کا تعلقِ خاطر رکھتا ہے۔ اسے ناپنا بھی کوئی مشکل نہیں۔ انسان اس کی سربلندی کے لیے جس حد تک ایثار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے وہی اس کی اس سے وابستگی کا صحیح معیار ہے۔ اور جس قدر اُس کے ایثار میں کمی ہوتی ہے اسی تناسب سے اس کا اس سے تعلق کمزور ہوتا ہے۔

ہمارے رفقاءِ کار خواہ وہ ارکان ہوں یا ہمدرد یا جماعت اسلامی کے دوسرے بہی خواہ سب کا فرض ہے کہ وہ دین کے ساتھ اپنے تعلقِ خاطر کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور اسے محض پسند کرنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اسے زندگی کا واحد مطلوب ٹھہرا کر اسے عملی زندگی میں اپنانے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی فی الحقیقت وہی کام کر رہی ہے جس کا اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے تو پھر اس تحریک کا آپ کو دل و جان سے ساتھ دینا چاہیے۔ یہ کوئی دنیوی تحریک نہیں جس میں شامل ہونے یا جس سے الگ رہنے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کوئی نمایاں اثرات مترتب نہ ہوتے ہوں۔ اس تحریک کے ساتھ شامل ہو کر دین کی خدمت کرنا فریضہ اقامتِ دین ادا کرنا ہے۔ یہ وہ فریضہ نہیں جس کی بجا آوری کا دارومدار آپ کی پسند پر ہے کہ آپ کو یہ جس حد تک اور جس حیثیت سے بھی پسند ہو اسے سرانجام دیں اور جس مقام اور جس حیثیت سے اسے چھوڑنا چاہیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ یہ آپ کی پسند کا معاملہ نہیں بلکہ ایک بنیادی فرض ہے جو مسلمان کی حیثیت سے آپ پر عائد ہوتا ہے اور اس میں آپ جس قدر کوتاہی کریں گے اُسی قدر خدا کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے اور دنیا و آخرت میں نامراد ہوں گے۔ جو لوگ کسی حیثیت سے بھی اِن انتخابات میں جماعت کے قریب آئے ہیں ان میں سے مردانِ کار فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس ضمن میں ہمیں سب سے پہلے اُنہیں یہ بات ذہن نشین کرانی چاہیے کہ دینی فریضہ محض ووٹ دینے سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ ووٹ ڈالنا تو دینی محاذ پر متعدد کاموں اور ذمہ داریوں میں سے محض ایک کام اور ذمّہ داری تھی جسے اُنہوں نے انجام دیا ہے۔ دین کا تقاضا اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ تو ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (الانعام - ۱۶۲-۱۶۳)

کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور مَیں اللہ کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

یہ ہے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں دین کا مطالبہ۔ یعنی آدمی کامل یکسوئی کے ساتھ اپنی پوری زندگی اللہ کی بندگی میں صرف کرے۔ اس کی عبادت اُسی ذات بے ہمتا کے لیے مخصوص ہو۔ اس کے مذہبی فرائض اُسی کی رضا کے مطابق ادا کیے جائیں۔ الغرض حیاتِ مستعار کے جتنے لمحات بھی وہ بسر کرے وہ سارے اس کی خدمت اور چاکری کے لیے وقف ہوں۔ اور موت بھی اسی مقدس فرض کی ادائیگی میں آئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کے دین کے ساتھ عوام کے تعلق کو بڑے سلیقے اور تدبر سے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ ناسمجھی کی بنا پر خدا سے بغاوت وانحراف کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں غیر معمولی تحمل و بردباری اور بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت الی اللہ دینی چاہیے کیونکہ اس کائنات میں اس سے بہتر کوئی دوسری دعوت نہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حٰمٓ السجدہ۔ ۳۳)

اور اس شخص سے زیادہ بھلی بات کہنے والا اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک کام کرے اور برملا کہے کہ میرا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو خدا کے مسلم اور فرمانبردار ہیں۔

پھر جو لوگ اس دعوت کو صحیح تو مانتے ہوں مگر اس سے گہری وابستگی نہ رکھتے ہوں ان کے دلوں میں اس دعوت کی عظمت، اس کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے بارے میں ان کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کے علمبردار بن کر اُسے آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کریں۔

جماعت کی رفتار کے لیے دوسرا اہم کام جو ہمارے نزدیک پہلے کام سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعلق بڑھانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلص مردانِ کار کی بڑھتی ہوئی تعداد، مادی وسائل کی فراہمی، تحریکِ اسلامی کے لیے تقویت کا باعث بن سکتی ہے مگر ان مادی اسباب کی حیثیت بالکل ثانوی ہے۔ جماعت کی قوت کا اصل سرچشمہ اس کے کارکنوں کا اپنے رب سے تعلق خاطر ہے۔ یہ تعلق جس قدر گہرا اور مضبوط ہوگا اسی نسبت سے جماعت کو اللہ تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ اس لیے جماعت کے سارے بہی خواہوں کو اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ یہی جماعت کا حقیقی سرمایہ ہے۔ اگر اس سرمائے میں کمی آجائے تو مادی اسباب کی فراوانی ہمارے لیے سود مند ہونے کے بجائے سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (التوبہ۔ ۵۰)

وہی ہمارا کارساز اور آقا ہے اور بس اللہ ہی پر ایمان لانے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

© rasailojaraid.com